بسم اللہ الرحمن الرحیم

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز
(قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

مرتبہ

عبدالقدیر نیاز

ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۴ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۵ء

ماہ امان ۱۳۲۴ ھش

جلد ۴۴ — عدد ۳

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنہ ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیشِ نظر جاری فرمایا تھا:۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفینِ اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے، تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے اور بیرونِ ہند چار روپے ہے۔ طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے۔ ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیل زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اُردو ماہنامہ ہے، بوجہ علمی مجلّہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتر روپے	ایکسو چوالیس روپے	دوسو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایکسو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چوّن روپے	نوّے روپے

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۴ | ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۵ء | عدد ۳

فہرستِ مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون نگار
طیارات اور قرآن مجید	ص۲	جناب مولوی جلال الدین صاحب شمس از لنڈن۔
ایک تبلیغی خط	ص۸	جناب نواب اکبر یار جنگ صاحب بہادر حیدرآباد دکن۔
نیا عہدنامہ اور عقیدہ ختمِ نبوت	ص۱۹	جناب روشن الدین صاحب تنویر وکیل سیالکوٹ۔
مسئلہ نکاح	ص۲۴	جناب عبدالرحیم صاحب راٹھور متعلم ایف اے کلاس ڈی۔ اے۔ وی کالج سرینگر۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

طیارات اور قرآن مجید

(از جناب مولنا جلال الدین صاحب شمس از لنڈن۔)

مسلمانوں نے قرآن مجید میں تدبر کرنا ترک کر دیا تھا۔ گذشتہ مفسرین کی تفسیروں سے زائد بیان کرنا ناممکن خیال کیا جاتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پہلے شخص تھے جنہوں نے قرآن مجید کی اصل حقیقت کو واضح کیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ قرآن مجید خدا کا قول ہے اور صحیفۂ فطرت خدا کا فعل ہے۔ جیسے صحیفۂ فطرت کے خواص و عجائب کی کوئی انتہاء نہیں ویسے ہی خدا کے قول میں جو معارف و حقائق مضمر ہیں اُن کی کوئی حد نہیں۔ گویا قرآن مجید ایک بے کنار سمندر کی طرح ہے جس کی اتھاہ کی کوئی انتہاء نہیں۔ ہاں یہ ایک شیریں ثمار خوشنما درخت کی مانند ہے۔ جو بلا انقطاع ہر زمانہ میں تازہ بتازہ پھل دیتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اگر یہ درست ہوتا کہ گذشتہ مفسرین نے قرآن مجید کے تمام معارف و حقائق کا احاطہ کر لیا تھا تو اس کی آیات میں تدبر کا حکم کیوں دیا جاتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا۔ کہ انہیں کیا ہو گیا۔ وہ قرآن مجید میں تدبر نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ یعنی قرآن مجید میں تدبر نہ کرنا عدم ایمان کا نتیجہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور تدبر سے اس کے معارف و معانی پر عدم اطلاع قفل کی علامت ہے۔ پس جو شخص کھلے دل سے قرآن مجید کی آیات میں غور کرے گا اُس کے دل پر قرآن مجید کے معانی کا حسب استعداد ورود ہوگا۔

اس وقت دُنیا میں ایک احمدی گروہ ایسا ہے۔ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مبارک نظریہ سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ وہ اس کی آیات میں غور کرتے ہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے بعض اوقات انہیں نئے معانی پر بھی اطلاع دے دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو جو یہ الہام ہوا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ تو اس کا یہی مطلب تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ معنوی لحاظ سے قرآن مجید کا دوبارہ نزول ہوگا۔ یعنی جیسے آنحضرت صلعم کے زمانہ میں قرآن نے اپنا اعجاز دکھایا ویسے ہی اس زمانہ میں وہ اپنا معنوی اعجاز دکھائے گا جن دوستوں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نے حضرت امیر المومنین مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا درس قرآن سُنا یا پڑھا ہے اور جنہیں قرآن مجید کی آیات میں تدبر کرنے کی عادت ہے اُن پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید اِس زمانہ پر بھی ویسے ہی چسپاں ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ کے وقت پر ہوا۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ

قرآن مجید۔ احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں اور تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں مکذبین کو عموماً اور تثلیث پرستوں کو خصوصاً جن میں سے اکثر دہریہ ہوں گے سخت عذاب دیا جائے گا۔ آخرت میں تو اُنہیں سزا ملے گی لیکن اِس دُنیا میں بھی اُنہیں جنگوں کی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ چنانچہ اس عذاب کی مجمل سی کیفیت سورہ الذّٰریٰت میں بھی بیان کی گئی ہے۔ قدیم مفسرین نے سورہ الذّٰریٰت کی پہلی چار آیات کی اپنے زمانہ اور اپنے علم کے مطابق مختلف تاویلیں کی ہیں لیکن اِس زمانہ کی ایجادات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ آیات پورے طور پر ہوائی جہازوں اور اُن میں اُڑنے والی جماعتوں پر صادق آتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ یعنی ہم اُن چیزوں کی یا اُن جماعتوں کی قسم کھاتے ہیں جو فضائے آسمانی میں اُڑنے والی ہیں۔ ذرا الشّی ء ذروًا کے معنے ہیں طار فی الھواء یعنی وہ چیز ہوا میں اُڑی۔ پس ذاریات کے معنے ہوئے اُڑنے والی چیزیں یا جماعتیں۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ۔ یہی نہیں کہ وہ محض چیزیں ہوا میں اُڑتی ہیں بلکہ وہ بہت سا بوجھ بھی اُٹھانے والی ہیں۔ وِقر بھاری بوجھ کو کہتے ہیں جس سے زائد نہ اٹھایا جاسکے۔ جنگ کے دوران میں طیارات کی یہی کیفیت ہے۔ ان میں بوجھ کا اونسوں تک حساب کیا جاتا ہے۔ تا جتنا وزن طیارہ اُٹھا سکتا ہے اس سے زیادہ وزن نہ ہو جائے۔ گویا اتنا بھاری بوجھ اُٹھانے والی ہیں کہ اس سے زیادہ نہیں اُٹھا سکتیں۔ پھر اس بوجھ کے باوجود فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ۔ وہ نہایت آسانی سے بلا روک ٹوک تیز چلنے والی ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ پھر وہ کام کو تقسیم کرنے والی ہیں۔ اگر جماعتیں مُراد لیں تو ظاہر ہے۔ نیز ہر طیارہ میں پائلٹ۔ نیویگیٹر۔ بم کا نشانہ درست کرنیوالا۔ وائرلیس اوپریٹر وغیرہ ہر ایک کی ڈیوٹیاں اور کام مقرر ہوتا ہے۔ پھر مختلف کمانڈوں کے ماتحت مختلف کاموں کیلئے طیارات ہوتے ہیں۔ اور اگر طیارات مُراد لیں۔ تو یہ مجازی رنگ میں ہوگا۔ یعنی ان سے مختلف کام سے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جائیں گے۔ اور ان کے کاموں کے لحاظ سے طیارات کی کئی قسمیں ہوں گی۔ اور اُن کی اقسام کے مدنظر جمع کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں۔

یہ چاروں صفات طیارات میں پائی جاتی ہیں۔ ان کا ہوا میں اُڑنا تو بالکل عیاں ہے دوسرے اُن میں بوجھ رکھکر بھی لیجایا جاتا ہے۔ ایک بمبار میں اسّی نوّے گیلن تو پٹرول رکھا جاتا ہے جس کا وزن پانچہزار پونڈ کے قریب ہوتا ہے۔ برٹش Whitley بمبار جب Fully loaded یعنی پورا لدا ہوُا ہو تو اُس کا وقت بارہ چودہ ٹن کے قریب ہوتا ہے۔ دو سو میل سے زیادہ فی گھنٹہ رفتار ہوتی ہے۔ اور جب بمبار بم گرا دیتے ہیں تو اس کے لئے بھی یہی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ کہ اس نے اپنا بوجھ نیچے ڈال دیا۔ اب تو بارہ بارہ ہزار پونڈ کا ایک ایک بم گرایا جاتا ہے۔ پھر گلائڈرز ہیں جن میں فوجوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا جاتا ہے۔ نیز ہلکے ٹینکس بھی ان میں لیجائے جاتے ہیں۔ ہوائی جہازوں کی تیز رفتاری کی یہ کیفیت ہے کہ پانچسو میل فی گھنٹہ رفتار کے ہوائی جہاز بھی ہیں۔ پس ان کے اَلْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ہونے میں بھی کوئی شُبہ نہیں۔ اور وہ مُقَسِّمٰت مجازی طور پر کہلائیں گے۔ کیونکہ اصل میں کام کی تقسیم اور اُن کی ڈیوٹیاں ایئرفورس کی کمانڈ والے کرتے ہیں۔ ان کی کاموں کے لحاظ سے بڑی تقسیم یہ ہے۔ بمبار جو بم اُٹھا کر لیجاتے ہیں اور دشمن کے علاقہ میں جا کر گرا دیتے ہیں۔ فائٹرز یعنی لڑاکے جہاز جو دشمن کے بمباروں کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے بمباروں کے ساتھ حفاظت کے لئے جاتے ہیں۔ تاکہ دشمن کے فائٹرز اگر بمباروں کو گرانا چاہیں تو اُن کا مقابلہ کریں۔ پھر بمباروں اور فائٹرز کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً برطانیہ کے مشہور بمبار چار انجن والے شارٹ سٹرلنگ کے علاوہ ہالیفاکس۔ ایورو مانچسٹر۔ ولنگٹن۔ وٹلیز وغیرہ ہیں۔ اور فائٹرز۔ ہریکین۔ سپٹفائر۔ ٹائیفون۔ دو انجن بوفیٹر اور ورل ونڈ وغیرہ ہیں۔ یہ تو ایئر کمانڈ کے ماتحت ہیں۔ اس کے علاوہ Coastal Command (کوسٹل کمانڈ) ہے۔ جن کے ماتحت بمبار۔ فائٹرز کے علاوہ ٹارپیڈو اٹھانے والے اور مائنز ڈالنے والے جہاز ہیں۔ پھر بعض پتہ لگانے والے جہاز ہیں جو دشمن کے جہازوں وغیرہ کی آمد و رفت یا جو اپنے طیارات نے دشمن کو نقصان پہنچایا ہو اُس کا پتہ لگانے کے لئے جاتے ہیں۔ اس کے لئے مشہور طیارات ہیڈسنز۔ ایسنز۔ سینڈرلینڈز وغیرہ ہیں۔ پھر فلیٹ ایئر آرم ہے۔ پھر فلائنگ بوٹس ہیں۔ فلائنگ بوٹ پر جب پُورا بوجھ رکھا جائے تو اس کا کُل وزن پچیس (۲۵) ٹن ہوتا ہے۔ پھر ایک سروس Air Sea Rescue ہے۔ جب فلائنگ بوٹ روانہ ہوتی ہے تو اُسے اگر کوئی حادثہ پہنچے تو اُس میں کام

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کرنیوالوں کو بچانے کے لئے اِس سروس کے ہوائی جہاز جاتے ہیں۔ پھر ایک آرمی کواپریشن کمانڈ ہے یعنی فوجوں کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے جو ہوائی جہاز ہیں وہ ایک خاص کمانڈ کے ماتحت ہیں جو دشمن کی فوج پر بمباری کرتے ہیں۔ اس طرح گویا جہازوں کی کئی اقسام ہیں اور ان کے مختلف کام ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ یہ سب قسم کے ہوائی جہاز اور جو جماعتیں ان میں اُڑتی اور کام کرتی ہیں اس بات کی علامت اور گواہ ہیں اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝ اے مکذبو! جس عذاب کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ سچا ہے اور تم پر یقینی طور پر عذاب آنیوالا ہے۔ اور تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ مِلکر رہے گا۔ یہ انواع واقسام کے ہوائی جہاز جو تم نے ایجاد کئے ہیں تمہارے لئے ہی عذاب کا باعث بنیں گے۔ پھر فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ ہم فضائے آسمانی کو بھی پیش کرتے ہیں جو راستوں والی ہے۔ اِس میں بتایا کہ فضاء میں بھی زمین کی طرح راستے مقرر کئے جائیں گے۔ چنانچہ ہوائی جہازوں کے لئے اسی طرح Routes اور لائنیں متعین کی جاتی ہیں۔ جیسے کہ زمین پر ریلوے وغیرہ کے لئے ہیں۔ فرمایا کہ یہ فضاء ہاں راستوں والی فضاء جس میں مختلف اقوام نے مختلف راستے طیارات کے لئے تجویز کئے ہیں اس امر کی دلیل ہوگی کہ تم حق کی تکذیب میں راستی پر نہیں۔ بلکہ تمہارا اعتقاد، تمہاری باتیں حق سے بالکل مختلف ہیں۔ نیز حق کے مقابلے میں مختلف اور متناقض بات کرنا تمہارا شیوہ ہے۔ کبھی ایک خیال پر تمہیں ثبات نہیں ہے۔ سچے مذہب اور خدا کے رسول کے متعلق تمہاری حالت بالکل سیماب کی مانند ہے۔ کبھی کچھ کہتے ہو اور کبھی کچھ۔ کبھی کہتے ہو کہ محمد صلعم بڑے بزرگ اور ایک بے نظیر ریفارمر اور فلاسفر تھے۔ کبھی کہتے ہو کہ وہ دعوئے وحی میں نعوذ باللہ مفتری اور کاذب تھے۔ کبھی کہتے ہو وہ دعوئے وحی میں دھوکہ خوردہ تھے۔ کبھی کہتے ہو وہ سچے نبی تھے لیکن صرف عرب کے لئے تھے۔ قرآن مجید کے متعلق کبھی کہتے ہو وہ دوسری کتابوں کی نقل ہے۔ کبھی کہتے ہو اس میں واقعات کو غلط طور پر بیان کیا گیا ہے۔ غرضیکہ مذہب کے متعلق تمہاری کوئی بات تضاد سے خالی نہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے قرآن مجید حق ہے جزا کا معاملہ بھی برحق ہے۔ اور حق سے وہی پھیرا جاتا اور محروم رہتا ہے جو ضعیف العقل اور کم عقل ہو۔ اُفِكَ الرَّجُلُ کے معنے ہیں ضَعُفَ عَقْلُهٗ۔ کہ اس کی عقل کمزور ہوگئی۔ پھر فرمایا قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝ یہ جھوٹے اور مذہبی اُمور میں اپنے نظریات کی ظن اور اٹکل پر بنیاد رکھنے والے ہلاک ہوگئے۔ جو شدتِ جہالت کی وجہ سے حقیقت سے غافل و بے پرواہ ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ اچھا بتائیے تو وہ جزا کا دن کب آئیگا۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جس دن کہ وہ آگ سے عذاب دیئے جائیں گے ۔ تو اب اس دُکھ اور عذاب کا مزا چکھو یہی تو وہ عذاب ہے جسے تم جلدی چاہتے تھے۔

پھر ان کے مقابلے میں متقیوں کا انجام بتایا ہے۔ اور ان کی ان صفات کا ذکر کیا ہے جنکی وجہ سے وہ خدا تعالےٰ کے انعامات کے وارث ہوئے۔ آخر میں آسمان اور زمین کے رب کی قسم کھائی ہے۔ کہ ان کی صفتِ ربوبیت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ قرآن مجید حق ہے۔ اور جزا سزا ضرور ہوگی۔ اور یہ کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے۔ اور یہ ایسی ہی یقینی اور پختہ بات ہے۔ جیسے تم بولتے ہو۔ یعنی خدا تعالےٰ کے بولنے میں بھی شک نہیں۔ اور یہ کہ جزا سزا کا ہونا ضروری ہے۔ پھر اس کے ثبوت کیلئے کہ خدا ایسے غافل اور بے پرواہ لوگوں کو عذاب دیا کرتا ہے حضرت لوطؑ کی قوم کی تباہی اور فرعون کا اپنے لاؤلشکر سمیت سمندر میں غرق ہونا اور عاد و ثمود کی تباہی اور حضرت نوحؑ کی قوم کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے۔ لیکن لوطؑ کی قوم کی بربادی کے ذکر سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو ایک غلامِ علیم کے دیئے جانے کی خوشخبری دی ہے۔ جس میں اِس طرف اشارہ ہے کہ اِس سُورت میں جن لوگوں کو عذاب دیئے جانے کا ذکر ہے اُنہیں بھی یہ آگ کا عذاب اُس وقت دیا جائے گا جبکہ اِس زمانہ کے ابراہیمؑ کے علیم بیٹے کی روحانی بلوغت کا زمانہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت امیر المؤمنین مصلح موعود ایدہ اللہ کے متعلق بھی اللہ تعالےٰ نے یہی فرمایا ہے۔ کہ وہ علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ چنانچہ جس سال آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے اُسی سال گذشتہ جنگ عالمی شروع ہوئی اور اب دوسری عالمی جنگ کے دَوران میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر آپ کے مصلح موعود ہونے کا انکشاف فرمایا۔ اور عذاب کی نوعیت حضرت لوطؑ کے واقعہ سے بتائی۔ کہ ان پر پتھروں کی بارش کی بجائے بموں کی بارش ہوگی۔ دوسرے فرعون اور قوم نوحؑ کی طرح سمندروں میں غرق ہونگے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ان جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے۔ کہ نوحؑ کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا۔ اور لُوطؑ کی زمین کا واقعہ تم بچشمِ خود دیکھ لوگے۔

ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ

سورۃ المرسلات میں اس عذاب کی اور تفصیل بیان کی ہے۔ فرمایا اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ تو اب تم اس عذاب کی طرف چلو جسکی تم تکذیب کیا کرتے تھے۔ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝ ہاں تم اس سایہ کی طرف چلو جو تین شاخوں والا ہے لیکن نہ تو وہ کوئی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آرام وہ سایہ ہے۔ اور نہ اُس سے ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ وَلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۝ نہ ہی وہ شعلہ کی گرمی سے بچا سکتا ہے۔ بلکہ یہ تینوں شاخیں بڑے بڑے آگ کے انگارے قصر کی مانند پھینکیں گے اور وہ ایسے نظر آئیں گے جیسے کہ زرد یا سیاہی مائل اونٹ ہوتے ہیں۔ اِن تین شاخوں والے سایہ سے مراد جنگ کے تین بڑے بڑے شعبے ہیں۔ ایئر فورس۔ نیوی اور لینڈ آرمی۔ یعنی ہوائی طاقت۔ بحری طاقت اور فوج۔ یہ تینوں قسم کی قوتیں جنہیں یورپین اقوام اپنی حفاظت اور امن کا ذریعہ سمجھینگی وہی ان کے عذاب کا باعث ہونگی۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت بھی ہے کہ یہ صلیب کی عبادت کرنیوالوں سے کہا جائیگا۔ موجودہ جنگ میں اِن تینوں قوتوں کا ذکر ہر موقعہ پر کیا گیا ہے اخبارات میں جلی عنوانوں میں ایئر فورس۔ نیوی۔ آرمی۔ تینوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور یہ تینوں قوتیں بڑے بڑے گولے اور بم وغیرہ پھینکتی ہیں اور جب وہ بم پھٹتے ہیں تو اُن سے جو دُھواں نکلتا ہے وہ اونٹوں کی مانند نظر آتا ہے۔ پیادہ فوجیں بھی اب ٹینکس مشین گنز وغیرہ کے ذریعے شرارے پھینکتی ہیں۔ جنگی جہاز بھی توپوں سے بمباری کرتے ہیں۔ اور اُن کی بڑی بڑی توپیں بھی کچھ کچھ اونٹوں سے مشابہ ہوتی ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِن مکذبینِ آخرت و قرآن کے لئے جو عذاب مقدر ہے اس کے تین شعبے ہونگے۔ ایئر فورس۔ نیوی اور آرمی۔ پس یہ ان کے لئے دُنیا کا عذاب ہوگا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا الہام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا۔ کہ آپؑ ہوا میں تیر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ عیسےٰؑ تو پانی پر چلتے تھے اور مَیں ہوا میں تیر رہا ہوں۔ اور میرے خدا کا فضل ان سے بڑھکر مجھ پر ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۴۲۱)

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ متبعین حضرت مسیح موعودؑ کو ہوائی طاقت ملیگی تو اس وقت سورہ ذاریات کی پہلی چار آیات ان احمدی ہوا میں اڑنے والی جماعتوں پر بھی چسپاں ہوں گی۔ جو دُنیا میں خدا تعالےٰ کی توحید اور قرآن مجید کی صداقت کو پھیلائیں گی۔ تو اُس وقت جو وعدہ متقیوں کے لئے اِس آیت میں مذکور ہے وہ پورا ہو جائے گا۔ وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایک تبلیغی خط

(از جناب نواب اکبر یار جنگ صاحب بہادر حیدر آباد دکن)

عزیزی .... نے آپ کا خط مورخہ .... مجھے دکھایا۔ خط کو میں نے کئی مرتبہ پڑھا اور ہر مرتبہ پڑھنے کے بعد یہ یقین واثق ہوتا گیا کہ احمدیہ لٹریچر نے جو آپ کو پڑھنے کیلئے دیا گیا تھا آپ کے دل و دماغ کو اس طرح جھنجوڑا کہ آپ کے سوتے ہوئے شعور نے بیداری کے آثار ظاہر کر کے ایک انگڑائی لے کر کروٹ لے لی ہے۔ اور اس بُحرانی کیفیت میں دل و دماغ پر چھائے ہوئے خیالات کو سمیٹ کر آپ نے استفسارات کی شکل میں جویائے حق کے شُبہات کے طور پر جواب طلب کے لئے پیش کر دیا ہے معلوم نہیں قادیان سے ان استفسارات کا کوئی جواب آیا یا نہیں۔ آئے گا تو کب آئے گا اور کیا آئے گا لیکن آپ کے نہایت مخلصانہ استفسارات اور قابلِ ہمدردی شُبہات دیکھکر خود میرے دل میں جو اُبال پیدا ہوا ہے اُسکو آپ کے سامنے پیش کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ شاید میرے خیالات آپ کی نظر میں کچھ وسعت پیدا کر سکیں اور آپ خود اپنے شُبہات پر اس کے سہارے سے مزید غور کر سکیں۔

آپ نے جتنے شُبہات پیش کئے ہیں وہ زیادہ تر مفروضات اور ایسے قیاسات پر مبنی ہیں جو آپ کے اپنے ذاتی خیالات اور ذوقِ وجدان سے پیدا ہوئے ہیں۔ مذہب کی نسبت شاید یہ اصل آپ کے زیرِ نظر ہوگا کہ اُس کے احکام خصوصاً وہ احکام جو بناء ایمان و اسلام ہیں توقیفی ہیں نہ کہ توفیقی۔ کفر و اسلام تو اصطلاحیں ہیں جو اوصاف سے تعلق رکھتی ہیں نہ کہ اشخاص سے۔ جن اشخاص میں وہ اوصاف پائے جائیں گے اُن پر یہ اصطلاحیں منطبق ہو سکیں گی۔ وہ اوصاف جو اسباب و موجباتِ کفر ہیں اُن پر اس وقت کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فقہ کی کتابوں میں سے عالمگیری اور علم کلام کی کتابوں میں سے شرح مقاصد کے مطالعہ سے آپ پر یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ باوجود تمام احکام اسلامی کی پابندی کے محض ایک یا دو باتوں کے نہ ماننے سے بھی کفر کا اطلاق کس طرح ہو سکتا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جس کو کُفر دُونَ الکُفر کہا گیا ہے۔

آپ نے سب سے پہلے شُبہ کو اِس سوال میں ظاہر کیا ہے کہ "مثلاً ایک شخص پابندِ شریعت ہے۔ سُنّتِ مصطفویؐ کے راہ پر آنکھیں بچھاتا ہے اور جس طریق پر خود آپ جماعت کو چلنے اور گامزن رہنے کی ہدایت فرماتے ہیں اُسی نقشِ قدم پر راہروی کرتا ہے۔ صرف جناب مرزا صاحبؑ کو مسیح موعود ماننے میں قلب مطمئن نہیں ہے تو کیا وہ کافر ہے؟ یا یہ انکار تمام اعمالِ صالحہ کو مٹا دے گا۔ اور کیا یقین پیدا نہ ہو سکنے کی وجہ سے اُس کی نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ و حج سب باطل ہو جائیں گے؟"

اِس سوال کو آپ نے جس طریقہ پر پیش کیا ہے اس کے الفاظ سے یہ بات تو قطعی طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کا طریقِ عمل خالص اسلامی اور سُنّتِ مصطفوی" کے مطابق ہے۔ اور آپ یہ فرض کر کے کہ جو شخص ان اعمال کو اسی طرح بجالاتا ہے جس طرح احمدی بجالاتے ہیں تو وہ کافر کیوں ہے؟ اِس سوال کا جواب تفصیل میں جائے بغیر شائد یہ کہدینا کافی ہوگا کہ مسلمان بحیثیتِ مجموعی بلالحاظ فرقہ وجماعت کے مسیح و مہدی کے منتظر ہیں جو ان کی اصلاح کے لئے بھیجے جائیں گے۔ اور اس طرح یہ مسئلہ ان کے عقائد میں داخل ہے جس کی تکمیل کے وہ منتظر ہیں اس لئے مسیح و مہدی جب آئیں تو ان کا ماننا ضروری ہے۔ ورنہ ان کی حالت یہود کی اُس حالت کے مشابہ ہو جائیگی جس کو قرآن پاک نے بایں الفاظ ظاہر فرمایا ہے:۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ

ایک اور طریقہ پر بھی اس عقیدہ کی تائید ہو سکتی ہے۔ ایک مشہور و مسلّم حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

وَمَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً الْجَاهِلِيَّةِ۔

اور ظاہر ہے کہ مسیح و مہدی موعودؑ کی موجودگی میں دوسرا کون امام زمانہ ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے مفروضہ اعمالِ صالحہ بجالانے والے شخص کا مسیح موعود سے انکار مسلّمہ طور پر موجبِ کُفر ہوگا۔ نیز اپنے سوال پر آپ اِس طرح بھی غور فرمایئے کہ اگر کوئی غیر مُسلم شخص یہ کہے کہ ہم موحّد ہیں۔ قطعی کوئی شرک نہیں کرتے اور تمام نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ صرف رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت قلب مطمئن نہیں ہوتا۔ کیا ہمارے سارے نیک اعمال محض رسولؐ کی شخصیت قبول نہ کرنے کی وجہ سے باطل ہو جائینگے؟ تب آپ اِس کا کیا جواب دیں گے۔ اُس وقت آپ جو جواب دیں گے وہی جواب ہمارا بھی تصوّر کیا جائے۔ مولانا روم کا جواب تو اِس بارہ میں یہ ہے:۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مگسل از پیغمبر ایامِ خویش ٭ تکیہ کم کن بر فن و بر کامِ خویش

اِس سے زیادہ تر واضح اور برمحل مثال شاید خود عیسےٰ علیہ السلام اور آپؑ کا مقابلہ کرنیوالے یہودیوں کی ہو سکتی ہے جو توریت پر عمل اور توریت کے مطابق اعمالِ صالحہ بجالانے کے دعویدار تھے ۔ اور عیسےٰ علیہ السلام توریت کے متبع اور اُس کی تنسیخ یا تبدیلی کے لئے نہیں بلکہ اُس کی تکمیل کے دعویدار تھے ۔ باوجود اس نیک اعمالی کے جس کے یہود دعویدار تھے اُن کا دل عیسےٰ علیہ السلام کی حیثیت و وجاہت و معجزانہ پیدائش کے مدنظر آپؑ کے ادعائے نبوت پر مطمئن نہ ہوسکا ۔ کیا آپ اُن کو معذور سمجھکر اُن کی نجات کا فتویٰ دے سکتے ہیں ؟ جو جواب آپ کا ان یہودیوں کے متعلق ہوگا وہی جواب ہمارا اُس شخص کے متعلق تصور کر لیجئے جو مسیح موعود کی آمد اور اسکے ماننے کے بارے میں ہم سے متفق ہو کر کہے کہ تعیین شخصی کی حد تک "صرف جناب مرزا صاحبؑ کو مسیح موعود ماننے میں قلب مطمئن نہیں ہو سکا ۔ کیا ایقان مسیح نہ ہونے کی وجہ سے قلب مجبور ایمان سے دُور متصور ہوگا ۔ حالانکہ مخالفت اور عناد کا شائبہ بھی دل میں نہ ہو ۔"

اِس سلسلہ میں سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ قلب کی بے اطمینانی کے وجوہ کیا ہو سکتے ہیں ۔ دعوےٰ صاف ہے اور الہام و وحی کے ساتھ اور اُس کی بناء پر ہے ۔ قرآن پاک میں آتا ہے کہ :-

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ۔ (پارہ ۲۴ ۔ آیہ اوّل)

پس اگر الہام و وحی الہٰی کی تکذیب نہیں کی جاسکتی تو ماننا ضروری ہے خواہ قلب مطمئن ہو یا نہ ہو ۔ اطمینانِ قلب ثانوی کیفیت ہے ایمان اس پر مقدم ہے ۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے جنہوں نے اپنے رب سے عرض کیا تھا رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰى اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ " اَوَلَمْ تُؤْمِنْ " ۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواباً عرض کیا " بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ " ۔ یعنی یہ اقرار کیا کہ ایمان لاچکا ہوں لیکن اس ایمان پر اطمینانِ قلب چاہتا ہوں ۔ پس ایمان کو اطمینانِ قلب پر منحصر کرکے ملتوی نہیں رکھا جاسکتا ۔ پہلے ایمان بالغیب لاؤ پھر نعمتِ اطمینانِ قلب عطا کی جائیگی ۔ اس لئے ایمان کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ بین الخوف والرجا ہوا کرتا ہے ۔ فرعون کی نسبت تو آپ نے قرآن شریف میں پڑھا ہوگا کہ جب وہ حالتِ احتضار میں مشاہدہ پر اطمینانِ قلب حاصل ہونے کے بعد ایمان لایا تو کیا جواب ملا ۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ اور قلب کا اطمینان دلائل و بیّنات سے ہونا چاہئے ۔ دلائل و بیّنات سے قطع نظر کرکے صرف

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دل کی رغبت و بے رغبتی کچھ کارآمد نہیں ہو سکتی۔ اگر دلائل و بیّنات کے بغیر صرف دل کا ردّ و قبول کافی سمجھا جا سکتا تو ابوجہل کی بے اطمینانی اور اس یقین و استقلال کی حالت کا اندازہ فرمائیے جس نے غلاف کعبہ کو پکڑ کر حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتے ہوئے آپ کے خلاف یہ دُعا کی تھی :۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ٥ (انفال - پارہ ۹ - رکوع ۴)

دیکھا آپ نے دل کے نہ ماننے کا کرشمہ؟ کیا اس واقعہ میں عبرت کا کوئی سامان نہیں؟ ایسے صریح ہدایات و بیّنات سے قطع نظر کر کے جو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک ممتاز اور اپنی قوم کا سب سے بڑا آدمی جو "ابو الحکم" مشہور تھا محض دل کی بے اطمینانی پر قائم رہ کر "ابوجہل" بن گیا۔

یہ تو ابوجہل کا حال تھا۔ دوسری طرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ کے زمانہ کے واقعہ پر نظر کیجیے۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ ہے جبکہ ابھی اُس کی جڑیں مضبوط نہیں ہونے پائی تھیں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک گروہ مسلمانوں کا اِس بات پر اڑ گیا کہ زکوٰۃ لینا صرف رسول کا کام تھا۔ اب رسول باقی نہیں رہا اس لئے ہم زکوٰۃ نہ دیں گے۔ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اعراب کے اِس انکار پر متردّد ہو گئے اور ان کا دل بھی اُن کی رعایت پر راغب ہو گیا لیکن خلیفۂ وقت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان سب کو جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا باوجود سارے اعمالِ صالحہ مفروضہ اسلامی کا مُقر و عامل ہونے کے کفّار کی طرح قابلِ جہاد قرار دیا۔ اور کوئی مصلحت یا ہمدردی کام نہ آئی اور عمرؓ جیسے صحابہ کی تائید نے بھی کام نہیں دیا۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ :۔

"اَفَنُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ"

کا اصول قابلِ قبول نہیں ہے۔ قرآن پاک نے کھولکر بیان کر دیا ہے :۔

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ

(پارہ ۶ - رکوع اوّل)

ایسا مذبذب و متردّد ایمان کہ مصالح کے لحاظ سے بعض باتیں قبول نہ کی جائیں قابلِ اعتناء نہیں ہے۔ اس لئے کہ توقیفی احکام کسی رائے و قیاس و مصلحت کے تابع نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہا گیا ہے کہ :-

اَفَرَاَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ (سورہ جاثیہ رکوع ۳)

اس آیۂ مبارکہ میں ھَوٰی کا جو لفظ ہے اس میں رائے وقیاس و مصلحتِ وقت کی پابندی داخل سمجھیے۔ اسی سلسلہ میں یہ امر قابلِ وضاحت ہے کہ آپ کا سوال بظاہر ایک فرد یعنی شخص واحد سے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ اور قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری قوم یہود اسلام نہ لانیکی وجہ سے ملزم گردانی گئی ہے۔ اور کل یہود کھلے ہوئے کافر قرار دیئے گئے ہیں۔ باوجودیکہ اس قوم میں بعض ایسے صالحین بھی تھے جو اعمالِ صالحہ بجا لاتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ :-

لَیۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ یَّتۡلُوۡنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیۡلِ وَہُمۡ یَسۡجُدُوۡنَ ۝ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَیُسَارِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۝ (آل عمران۔ پارہ ۴۔ رکوع ۱۲)

مگر اس انفرادی کیفیت صلاح و تقوے کو تسلیم کر کے بھی اجتماعی حکم یہود کے متعلق وہی قائم رہا جو آپ جانتے ہیں۔ کسی فرد خاص کا اعمالِ صالحہ بجالانا اس ساری قوم و جماعت کو جس سے وہ شخص خاص متعلق ہے اطلاقِ کفر اور اُس کے نتائج و عواقب سے بچا نہیں سکتا۔ اور اگر یہ شخص باوجود اعمالِ صالحہ بجا لانے کے اُس جماعت میں شریک رہا اور اُن سے علیحدہ ہو کر اپنی بیزاری و بے تعلقی کا اقرار ہی نہیں ہوا تو جو حکم جماعت کے لئے ہے وہی فرد مذکور پر بھی عائد کیا جائے گا اور اگر وہ اس جماعت سے علیحدہ ہو گیا اور اُس نے اُس سے بیزاری کا اظہار کر دیا تو گویا وہ خود بخود اس جماعت میں شریک ہو گیا جس کے اعمالِ صالحہ کی وہ نقل کر رہا تھا۔ یہی وہ اصول ہے جس کو سعدی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

چو از قومے یکے بیدانشی کرد ❊ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

پس جب ساری قوم یا جماعت میں سے کوئی ایک بیدانشی کرے تو آٹے کے ساتھ گھن بھی پس جائیگا۔ یا وہ اس گروہ سے علیحدہ ہو جائے ورنہ قوم سے تناصر کرنے کے عواقب جھیلے۔ آپ تو ذی علم آدمی ہیں اسلامی فقہ پر نظر ہو گی جو نہایت مکمل اور جامع ہے۔ فقہ کی کتاب المعاقل کے عنوان سے ایک باب بھی اس بارہ میں باندھا گیا ہے۔ کہ ایک "قاتل" کے قتل و جنایت کی بنیاد پر اس اصول پر کہ قوم یا گروہ یا جماعت۔ میں باہمی تناصر مفروضہ شرعی ہے۔ پوری قوم یا گروہ یا جماعت پر ایسے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قتل کی ذمہ واری عائد کردی جاتی ہے جس کا قاتل نامعلوم و مجہول ہو۔ اور جس کو قوم سزا کے لئے حوالہ نہ کردے۔ پس یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جس میں آپ کو کوئی معقول اور واقعی شبہ کرنیکی گنجائش مل سکے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ اِس اصولِ تناصر کو اِس طرح بھی استعمال کیا گیا ہے :۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ (پارہ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع دوم)

دیکھئے! فسق کریں امراء و متمولین اور اُن کے فسق کا نتیجہ بھگتے سارا گاؤں یا شہر۔ آٹے کے ساتھ گھُن کا پسنا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ اسلئے آپ کا مفروضہ اعمالِ صالحہ بجا لانے والا شخص اگر کسی ایسے گروہ یا جماعت سے تعلق رکھتا ہے جو مجرم ہے تو اُن کے ساتھ سزا پائے گا اور اُس کے اعمالِ صالحہ کسی طرح اُس کو بچا نہ سکیں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے :۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۱۰)

مسیح موعودؑ کے دعوے کو نہ پرکھنے والے اور جانچ و پڑتال کے بغیر انکار کر دینے والے ظالم ہی ہیں اس لئے اُن کا شریک بھی اُنہیں کے ساتھ (اگر وہ علیحدہ نہ ہوا ہو) عواقب برداشت کریگا۔ اب رہے اُس کے ذاتی اعمالِ صالحہ اگر فی الحقیقت وہ خدا کی نظر میں قابلِ قبول ہیں تو اُن کا نتیجہ وہ ہونا چاہئے جو حدیث میں واضح کیا گیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہمارے اعمالِ صالحہ جو ہم نے اسلام سے پہلے کئے ہیں سب اکارت جائینگے؟ آپؐ نے فرمایا کہ :۔

"اَسْلَمْتَ بِمَا اَسْلَفْتَ"

یعنی اُن ہی اعمالِ صالحہ کا یہ اجر ہے کہ تم کو اسلام نصیب ہوا۔ پس آپ کے سوال مفروضہ کا بھی یہی جواب ہوسکتا ہے کہ اگر فی الحقیقت اعمالِ صالحہ اُس شخصِ مفروض کے ایسے ہیں جو مسیح موعودؑ مامور من اللہ سے مخالفت و عناد کا شائبہ رکھے بغیر ادا کرتا ہے اور وہ بارگاہ الہٰی میں قابلِ قبول ٹھہریں تو مجھے یقین ہے کہ وہ نعمتِ **احمدیت** سے محروم نہ رکھا جائیگا۔

یہی آپ کے اُس شُبہ کا جواب ہے جو شاید سب سے زیادہ اہم اور ضروری الجواب تھا۔ بقیہ شُبہات پھر پھرا کر اسی نقطہ پر آجاتے ہیں اسلئے اُن کے علیحدہ تفصیلی جواب کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ اِس جواب میں بھی مَیں نے جہاں تک ممکن تھا محض مختصر اشارات کئے ہیں۔ اِس بھروسہ پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ ان اشارات سے آپ کا علم تازہ ہو جائے گا اور آپ تفصیلات پر خود عبور حاصل کر لیں گے۔ بقیہ شبہات میں جن حالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ خود آپکے غورِ مکرر کے محتاج ہیں۔ اسلئے میں اُنکو ایک جگہ جمع کر کے صرف اُن کی حیثیت آپ پر واضح کر دیتا ہوں۔

(۱) "یہ امر کہ قرنِ اوّل کے واقعات شہادت حضرت عثمانؓ و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ایسے سخت اور تباہ کن تھے جن کا اثر اب تک باقی ہے اسلئے اگر مسیح نے آنا تھا تو اُس زمانہ میں آنا تھا۔"

(۲) "جبکہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حدیث موجود ہے جس میں رسول اللہ کو شریک نہیں کیا گیا ہے تو یہ تفرقہ عظیم کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھ سکے اور سارے مخالف کافر سمجھے جائیں گے شبہ انگیز ہے۔"

(۳) "بجز اسلام کے کیوں مذاہبِ باطلہ نے اپنے رشی اور اوتار و مہاتماؤں کی نسبت حدّتیں اختیار نہیں کیں اور کس لئے ہم مسلم شیرازۂ اتحاد کو بادِ مخالفت کے تند جھونکوں کا دفترِ پریشان بنا رہے ہیں اور اخلاق کے بلند ترین اوج سے بوجہ اختلاف انتہائی حضیض کے غاروں میں دھکیلے جا رہے ہیں۔"

اگر آپ کے ذہن میں یہ امر محفوظ ہوتا کہ اسلام میں مامورین و مصلحین و مجددین کس غرض کیلئے بھیجے جاتے ہیں تو شائد آپ سوال اوّل پیش ہی نہ کرتے۔

تیرہ سو برس کے عرصہ میں مسلمانوں کے باہمی کشمکش و اختلافات سے دین میں جو خرابی پیدا ہو گئی ہے اور جس کی وجہ سے دین کی اشاعت بھی رُک گئی ہے کیا اُس کی اصلاح ضروری نہیں؟ یقیناً ضروری ہے اور اس کے ساتھ اشاعتِ دین جو ہر فردِ مسلم و جماعتِ مسلمین کا اہم ترین بلکہ اوّلین فریضہ ہے اور اُس کی ادائی بغیر امام و مامور من اللہ کے ناممکن ہے۔ قرنِ اوّل میں جو کچھ بھی کُشت و خون ہوا اُس کے لئے کسی مجدّد کا آنا ضروری نہ تھا۔ محض کُشت و خون کو روکنے کے لئے کسی مصلحِ آسمانی کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ اُس وقت دین بتانے والے اور اُس کی اصلاح و تبلیغ کرنے والے صحابہؓ موجود تھے مجدّد کا اُس میں کوئی دخل نہیں تھا۔

دوسرے سوال کا جواب اُوپر آ گیا ہے کہ باوجود کلمہ پڑھنے اور اسلامی اعمال بجا لانیکے بعض دیگر امور کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو جزو ایمان ہوتے ہیں اور اُن کے بغیر ایمان مکمل اور اعمالِ صالحہ بار آور نہیں ہو سکتے۔ ایکدوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے کے مسئلہ کو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آپ فقہ کی کتابوں میں پڑھئے اور پھر بتائیے کہ آیا نماز ایک دوسرے کے پیچھے پڑھنے یا نہ پڑھنے کا تفرقہ خود فقہا نے پیدا کر دیا ہے یا ہم پیدا کر رہے ہیں۔ یہ تو صاف و صریح فقہی احکام ہیں۔ نماز میں جس طرح صحیح طور پر سمتِ قبلہ کو قائم رکھنے۔ جسم اور کپڑوں کے طہارت کی ضرورت ہے اُسی طرح عقائد و صحتِ عقائد کی بھی ضرورت ہے۔ اگر امام کے عقائد مثل مقتدی کے صحیح نہیں ہیں تو امامت بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور اس مسئلہ میں مقتدی کی رائے ہی معتبر ہوگی۔ امام کی رائے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ملاحظہ طلب) پس یہ مسئلہ کہ کون شخص امام ہو اور کون نہیں کوئی تفرقہ پیدا کرنیکی بات نہیں ہے۔ یہ تو فقہی احکام کے مطابق ہے۔ یہ امر کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے سے جنت واجب ہو جاتی ہے بلاشبہ صحیح حدیث میں آتا ہے لیکن قَالَ کے معنی محض تلفظ لسانی کے تو نہیں ہیں۔ قَالَ تو اظہارِ حال کے لئے ہوتا ہے۔ پس جس کا یہ حال ہو جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے تو کیا شبہ ہے کہ وہ جنتی ہوگا اور اس کلمہ پاک کی اشاعت اور دلوں میں اسکو رچانے کے لئے کہ اس کے پڑھنے والوں کا حال یہی ہو جائے۔ مرزا صاحبؑ نے مسیح موعود ہو کر تبلیغ کی اور اپنے پیچھے ایک جماعت ایسی پیدا کر دی جس کا نہ صرف یہ حال ہے بلکہ وہ اس حال کو ساری دُنیا میں پھیلانا بھی چاہتی ہے۔ اور اس کے لئے اُس نے اپنا مال اور اپنی جان وقف کرکے امامِ وقت کے سپُرد کر دی ہے۔ کیا ایسی جماعت میں جو تبلیغ ہی کے لئے مختص ہو شریک ہونا غیر ضروری تصور کیا جائے گا؟ اگر آپ کا جواب اثبات میں ہو (جس کی ہرگز امید نہیں۔) تب تو خیر ورنہ کیا آپ قبول کریں گے کہ ایسے اشخاص کو ہم اپنا امام بنائیں جو تبلیغ کرنے والوں کو نہ صرف روکنا یا اس میں مزاحمت کرنا اور اُن کی مخالفت کرنا ضروری خیال کرتے ہیں بلکہ انکو دائرۂ اسلام ہی سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ کی رائے یہ ہو کہ ایسے اشخاص کسی طرح مومنین و موقنین کی امامت کے قابل نہیں ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ کا یہ خیال کہ اس سے تفرقۂ عظیم پیدا ہوتا ہے آپ کے غورِ مکرر کا محتاج ہے۔

آپ کا تیسرا شبہ بہت ہی عجیب و غریب ہے جس کا منشاء یہ نکلتا ہے کہ تجدیدِ مذہب کے لئے مجددین کے آنے سے مسلم شیرازۂ اتحاد درہم برہم ہو جاتا ہے اور باہمی کشمکش کی وجہ سے وہ بجائے ترقی کے تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ اور آپ اس کو شدید بلائے بے درماں خیال کرکے تعجب کرتے ہیں کہ مذاہبِ باطلہ اپنے رشیوں اور اوتاروں کی نسبت ایسی جدتیں کیوں نہیں کرتے۔ آپ کا یہ خیال اُس خیال سے کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتا جو "اصحاب القریہ" نے جن کا ذکر سورہ یٰسین میں ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اُس وقت ظاہر کیا تھا جب اُن کے پاس رسول بھیجے گئے۔ رسولوں نے اُن کے پاس پہنچ کر جو کچھ کہا اس کا خلاصہ حسب فرمودۂ الٰہی یہ ہے :۔

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَآ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اصحاب قریہ نے اِس تبلیغ کا جواب اِس طرح دیا :۔

قَالُوْٓا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝

رسولوں نے جو جواب اِن کا دیا اُس کو سورۂ یٰسین کے رکوع دوم میں ملاحظہ فرمایئے۔ جواب کا مفاد یہ تھا کہ تمہاری بدی تمہارے ساتھ ہے ہم تو صرف نصیحت کرتے ہیں۔ اِس نصیحت کو تم بدی سمجھ کر آپس کی کشمکش و اختلاف اور اپنی شامتِ اعمال کے نتائج کو ہمارے طرف منسوب کرتے ہو۔ یہ رکوع آپ کی توجہ کا طالب ہے۔

ماٗمورین و مصلحین الٰہی و مجدّدین کی آمد کے اغراض و ضرورت کی نسبت میں اُوپر اشارہ کر چکا ہوں وہی کافی ہے۔ لیکن اگر کسی قدر صراحت آپ ضروری خیال کرتے ہوں تو دو باتیں اور ذہن میں رکھئے۔ اوّل یہ کہ قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ خدا کی جانب سے ہے۔ مگر کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ حفاظت صرف الفاظ کی حد تک محدود ہے اور لوگ چھوڑ دیئے جائیں گے کہ جس طرح چاہیں اس کے معنی و مطالب اپنی باہمی کشمکش سے بگاڑ کر معنوی تحریف کر دیں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہوں کہ حفاظتِ الٰہی قرآن پاک کے الفاظ اور معانی دونوں کے متعلق ہوگی تو یہ آپ کی توجہ کے قابل ہے کہ الفاظ کی حفاظت تو حُفّاظ اور کتابت و سامانِ طباعت کی سہولت سے وجود میں آگئی۔ اب معانی کی حفاظت کا آخر کیا سامان ہو سکتا ہے، سوائے مجدّدین و ماٗمورینِ الٰہی کے اور کون معانی کی حفاظت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ پس ایک طرف تو اِس طرح حفاظتِ معانی قرآن کی ضرورت ہے دوسری طرف حکم یہ ہے کہ :۔

"يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ"

یہ صادقین کون ہوں گے۔ کیا سوائے حقیقی تابعینِ رسول و خلفاء یعنی ماٗمورینِ الٰہی و مجدّدین کے کوئی اور لوگ صادقین ہو سکتے ہیں؟ اور پھر یہ ہر زمانہ یعنی ہر صدی میں ہونا چاہئے۔ اس لئے ہر صدی کے سرے پر مجدّدین کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ صحیح حدیثوں میں اِس کا ذکر آتا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔

اِن دونوں باتوں پر غور کر کے آپ خود یہ سوال حل کر سکتے ہیں کہ ایسے صادقین ماموریںِ الٰہی و مجدّدین کی آمد و بعثت رحمت و کرم الٰہی ہے جو صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ یا وبال و نکال ہے جس کیلئے آپ جزع و فزع کر رہے ہیں۔ اگر آپ کا دل اس پر مطمئن ہو جائے کہ مجدّدین و ماموریں کی آمد و بعثت فی الواقع مخلوق کیلئے نعمتِ عظمٰے ہے اور خاصکر اسلام پر اللہ کی رحمت و کرم ہے تو آپ کے بقیہ اشکال خود بخود حل ہو جاتے ہیں کہ اِس نعمت سے انکار اور ماموریںِ الٰہی کی مخالفت اُس عذاب الٰہی کا باعث ہے جو مسلمانوں پر انکی تنزل کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔

وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل، پارہ ۱۵۔ رکوع دوم)

اور دوسرے مذاہب باطلہ اس نعمت سے محروم ہیں اور محروم رہینگے۔ تاہم یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ جملہ مذاہبِ عالم اِس زمانہ میں اپنے لئے ایک مصلح موعود کے منتظر ہیں اسلئے مَیں ایک رسالہ جو "موعودِ اقوامِ عالم" کے نام سے ہماری جماعت کے ایک عالم نے قادیان سے شائع کیا ہے آپکے ملاحظہ کیلئے بھیجتا ہوں جس سے آپ پر واضح ہو جائیگا کہ مسیح موعود فی نفسہٖ جملہ مذاہب و اقوامِ عالم کا موعود ہے۔ اُسکے ابواب سوم و پنجم و ہفتم خصوصاً ملاحظہ کے قابل ہیں جس میں مصلح موعودِ اقوامِ عالم کی شناخت کے ذرائع بیان کئے گئے ہیں۔ اِس سلسلہ میں ایک اور خاص بات آپکی توجہ کیلئے پیش کرتا ہوں۔ عقائدِ اسلامی میں نصب امام کا مسئلہ بھی آتا ہے فقہاء و متکلمین نے اِس مسئلہ کی جو کچھ توجیہیں کی ہوں اُنپر اسوقت نقد و نظر کا موقع نہیں۔ شرح عقائد نسفی میں آپ اِس بحث کو معہ حواشی کے ملاحظہ فرمائیے۔ مَیں اس مسئلہ کا حوالہ صرف اسلئے دے رہا ہوں کہ آپ موجودہ زمانہ کے حالات پر اسکو منطبق کر کے دیکھ لیں کہ اسلامی عقیدہ پر غیر اسلامی دُنیا عمل کر کے کس طرح ترقی کے منازل طے کر رہی ہے۔ اسلام نے تو اِس مسئلہ پر یہانتک زور دیا ہے کہ جب گھر سے دو مسلمان بھی سفر کیلئے نکلیں تو اُن میں ایک امام ہونا چاہیئے۔ یہ عقیدہ اسلامی مذہبی سیاست کا اصل الاصول یعنی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ دیکھ لو جب سے مسلمانوں نے اِس اصل پر عمل چھوڑ دیا ہے گویا اسلام کے جسم سے ریڑھ کی ہڈی نکل گئی۔ اور جسم کے تمام اعصاب پارہ پارہ اور بے قابو ہو گئے اور اغیار نے جو کالمیت پڑے ہوئے تھے اسپر عمل کرنیکی کوشش کے ذریعہ سے از سرِ نو اپنے اعصاب کو ریڑھ کی ہڈی سے پیوستہ کر کے آثارِ حیات ظاہر کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ گاندھی۔ ساورکر۔ آریہ سماجیوں سے جس طرح ہندو پیوستہ ہو کر عمل کر رہے ہیں وہ آپکے سامنے ہے۔ ہندوستان کے باہر بھی اس کا ظہور آپکو نظر آ سکتا ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس اسلامی اصل کو اسلامی اغراض [illegible] اسپر عمل کرنیکا نتیجہ ہر جگہ گیر دلّتی علت شود ہی ہوا ہے اور ہونا چاہیئے تھا لیکن باوجود اسکے "نصب امام" [illegible] اصل مسئلہ کی اہمیت تو واضح ہو جاتی ہے۔

کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ جس [illegible] میں "نصب امام" کا اصل دیگر قیامت تک کیلئے آبحیات پلا دیا گیا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تھا وہ قوم اس آبحیات کو قے کے ذریعہ سے اُگل کر امامت کے مسئلہ ہی سے بیگانہ ہو گئی! اور نصب امام کو موجب فتنہ و فساد اور باعث ذلت و تنزل خیال کرنے لگی ہے۔ یہانتک کہ خود تو امام کا قائم کرنا تو کجا خدا کے قائم کردہ امام (مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے معاملہ میں بھی متردد اور متوحش ہو کر اُسکی اور اُسکی جماعت کی ساری خوبیاں تسلیم کرنیکے بعد بھی اس سے بیزار اور نفور ہے۔ حالانکہ زمانہ آخر کے فتن و شرور سے حفاظت کیلئے اسکو بتا دیا گیا تھا کہ جہاں جماعت اور امام ہو تم اُسجگہ پہنچنا خواہ تمکو جنگل کے پودوں کی جڑیں کھا کر پہنچنے کا موقع ملے اور گھٹنوں کے بل چلنا پڑے۔

وائے بر قافلہ کز دوئی ہمت میخواست ٭ رہگزارے کہ در و پیچ و خطر پیدا نیست

اس طرح آپکے چاروں شبہات کا جو آپکے زیرِ جواب خط سے میں سمجھ سکا ہوں جواب ادا ہو جاتا ہے۔ ان شبہات کو معین کرنے کیلئے آپنے اور جو کچھ لکھا ہے اُسکی نسبت کسی خاص جواب کی ضرورت نہیں اس جواب سے سب باتیں واضح ہو جاتی ہیں لیکن میں آپ پر یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ حیات و وفات مسیح اور نبوت حضرت مرزا صاحب کے مسائل پر میں نے اسلئے کچھ نہیں لکھا ہے کہ آپ ان مسائل کو مابہ النزاع نہیں سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آپنے لکھا ہے کہ "حیات مسیحؑ کے مسئلہ میں میرا ضمیر قریباً موافق ہے اور عُلَمَاءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَآئِيْل کے حدود میں نبوتوں کی تاویل پر میرا ضمیر رضامند ہے۔" عُلَمَاءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَآئِيْل کے حدود کیا ہیں؟ یہی کہ وہ بحیثیت امتی کے نبی غیر تشریعی کی خدمات انجام دے سکتے ہیں انبیاء تشریعی کے نہیں اور مرزا صاحب کا یہی دعویٰ ہے جو انبیاء بنی اسرائیل کے حدود کے اندر ہے۔ اسلئے میں نے ان مسائل کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اگر آپ ان مسائل یا میرے خط کے کسی جزو کی نسبت کوئی مزید تصریح طلب کریں گے تو انشاءاللہ مہیا کی جائے گی۔

آپنے جہاں مسئلہ حیات مسیحؑ پر اپنے ضمیر کی موافقت کا ذکر کیا ہے اُسی ذیل میں آپنے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تعیین کہ یہ منصب اعلیٰ کیونکر اور کب حاصل ہوگا اور کون جناب مسیحؑ کے لباس میں مبعوث ہوگا اور کب مبعوث ہوگا ایمان کی حد تک لے جانے سے قاصر ہے۔ آپنے سچ لکھا ہے کہ یہ سوال مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ کے طے ہو جانے کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ دعویدار آپ کے سامنے موجود ہے اُس کو جانچنے کے لئے اُس کی اصل کتابوں کو دیکھئے اور تصفیہ کیجئے اور جو مدد میں اس بارہ میں آپکو دے سکتا ہوں اُس سے دریغ نہ کروں گا۔ کتاب "دعوۃ الامیر" سے جو آپ کو دی گئی ہے ان مسائل پر آپ کو کافی روشنی مل سکتی ہے۔ کتاب "موعودِ اقوامِ عالم" بھی ان مسائل میں آپ کی مدد کریگی ؛

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نیا عہد نامہ اور عقیدہ ختم نبوت

(از جناب روشن الدین صاحب تنویر وکیل سیالکوٹ)

موجودہ اناجیل میں یسوع مسیح یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو "نبی" نہیں بلکہ خدا یا خدا کا بیٹا ظاہر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان میں ایسے حوالے بھی موجود ہیں جہاں لفظ نبی کا آپ پر اطلاق کیا گیا ہے۔ مگر اس مختصر نوٹ میں اس امر پر بحث کی گنجائش نہیں۔ اس کا ذکر یہاں محض اسلئے کیا گیا ہے۔ کہ ختم نبوت کا عقیدہ جس طرح عیسائیوں میں مانا جاتا ہے اس کا فرق عام مسلمانوں کے اس عقیدہ سے ہو سکے۔ عام مسلمان حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی ہی مانتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ آپ کے بعد نبوت بند ہو گئی ہے کسی قسم کا کوئی نبی اب قیامت تک نہیں آسکتا۔ مگر عیسائی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو نبیوں سے کہیں بالاتر ہستی یعنی خدا یا خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ نبوت صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام تک تھی۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مسلمان شریعتِ اسلامیہ کو آخری شریعت سمجھتے ہیں مگر عیسائیوں کے خیال میں شریعت حضرت موسےٰ علیہ السلام تک ہی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی شریعت تو نہیں لائے مگر آپ شریعت سے اعلیٰ چیز یعنی "فضل" لائے۔ چنانچہ لکھا ہے:-

"شریعت تو موسےٰ کی معرفت دی گئی۔ مگر فضل اور سچائی یسوع مسیح کی معرفت پہنچی۔ خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اسی نے ظاہر کیا۔" (یوحنا ۱/۱۷-۱۸)

یہ حوالہ بطور مشتے نمونہ از خروارے دیا گیا ہے۔ ورنہ اناجیل اس عقیدہ سے پٹی پڑی ہیں۔ اور رسولوں کے خطوط وغیرہ میں تو زیادہ تر اسی بات پر زور دیا گیا ہے۔ یہ تو ہوا شریعت کے متعلق۔ نبیوں کے متعلق یہ لکھا ہے:-

"اگلے زمانہ میں خدا نے باپ دادا سے حصہ بہ حصہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے اس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا۔" (عبرانیوں ۱/۱-۲)

یہ عقیدہ بھی اناجیل میں بکثرت پھیلا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ مصنفینِ اناجیل کی تمام تر کوشش یہی رہی ہے کہ ان دونوں عقیدوں کو ایک دوسرے کے مؤید کے طور پر پیش کیا جائے۔ جسکو ہم اپنے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

لفظوں میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نبیوں سے بالاتر ہستی خدا یا خدا کا بیٹا تھے۔ اور وہ شریعت نہیں بلکہ فضل لیکر آئے تھے۔ اسی اصولی عقیدہ کی بنا پر دیگر عقائد کفارہ وغیرہ گھڑے کئے گئے ہیں۔ صحیح تاویل کچھ بھی ہو مگر موجودہ عیسائیوں کی کثیر تعداد کا یہی عقیدہ ہے۔ موجودہ اناجیل میں ایسی آیات موجود ہیں جن میں اس عقیدہ کو صاف لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ خواہ ایسی آیات الحاقی ہوں یا تاویل طلب۔ چنانچہ خود مسیح علیہ السلام کی زبانی بیان کیا گیا ہے:۔

"سب نبیوں اور تورات نے یوحنا تک نبوت کی۔ چاہے تو مانو۔ ایلیا جو آنیوالا تھا یہی ہے جس کے سُننے کے کان ہوں وہ سُن لے۔" (متی ۱۱/۱۳-۱۵)

"شریعت اور انبیاء یوحنا تک رہے۔" (لوقا ۱۶/۱۶)

اس سے صاف یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ عیسائی یوحنا (حضرت یحیٰی علیہ السلام) کو آخری نبی جن کے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا۔ اور موسوی شریعت کو آخری شریعت مانتے ہیں۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام ان کے عقیدہ میں نہ تو نبی ہیں اور نہ حامل شریعت۔ وہ خدا یا خدا کے بیٹے اور حاملِ فضل ہیں۔ جو شریعت سے نوعاً الگ چیز ہے۔ نبی اور شریعت یوحنا تک ختم ہو چکے ہیں۔ شریعت اور نبی پُرانا عہد تھا۔ اب نیا عہد فضل کا شروع ہوتا ہے۔ جو قیامت تک رہے گا۔ اس امر کو ایک تمثیل میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کی زبانی یوں بیان کیا گیا ہے:۔

"پھر اُس نے لوگوں سے یہ تمثیل کہنی شروع کی کہ ایک شخص نے تاکستان لگا کر باغبانوں کو ٹھیکے پر دیا۔ اور ایک بڑی مدت کے لئے پردیس چلا گیا۔ اور پھل کے موسم پر اُس نے ایک نوکر باغبانوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ تاکستان کے پھل کا حصہ اسے دیں لیکن باغبانوں نے اُس کو پیٹ کر خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ پھر اُس نے ایک اور نوکر بھیجا۔ انہوں نے اُس کو بھی پیٹ کر اور بے عزت کر کے خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ اس پر تاکستان کے مالک نے کہا کیا کروں؟ میں اپنے پیارے بیٹے کو بھیجونگا شاید اُس کا لحاظ کریں۔ جب باغبانوں نے اُسے دیکھا تو آپس صلاح کر کے کہا کہ یہی وارث ہے اسے قتل کریں کہ میراث ہماری ہو جائے۔ پس اُس کو تاکستان سے باہر نکالکر قتل کیا۔ اب تاکستان کا مالک اُن کے ساتھ کیا کرے گا۔ وہ آکر ان باغبانوں کو ہلاک کریگا اور تاکستان اوروں کو دے دیگا۔ انہوں نے سُنکر کہا خدا نہ کرے۔ اُس نے اُن کی طرف دیکھکر کہا پھر یہ کیا لکھا ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا" وغیرہ (لوقا ۲۰/۹-۱۷)

اس تمثیل میں مالک "خدا" نوکر "انبیاء" اور مالک کا پیارا بیٹا "یسوع مسیح" صاف نظر آتے ہیں یہی تمثیل متی باب اکیس آیت ۳۴ تا ۴۳ میں بھی آئی ہے۔ سب نبیوں کے اختتام پر آنے والا خدا کا پیارا اور اکلوتا بیٹا یسوع ہے۔ یہ قول کہ "جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا" اناجیل میں متعدد بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آیا ہے۔ دو مزید حوالے یہاں کافی ہیں۔ متی باب اکیس آیت ۴۲ اور پطرس رسول کا پہلا عام خط باب ۲۔ آیت ۶-۷۔ ضمناً یہاں ایک حدیث بھی سن لیجئے:۔

مثلی و مثل الانبیاء کمثل القصر۔۔۔ فکنت انا سددت موضع اللبنة وختم بی البنیان ۔۔۔ (مشکوٰۃ)

میری اور انبیاء کی مثال ایک محل کی سی ہے۔ میں نے اینٹ کی جگہ کو بند کیا اور عمارت پوری کی۔

اس حدیث کو یا اس قسم کی دوسری احادیث کو معیاروں پر جانچنا موجودہ بحث سے باہر ہے۔ مگر عیسائیوں اور عام مسلمانوں کے عقیدۂ ختم نبوت کی کسی قدر یکرنگی اس سے واضح ہوتی ہے۔ یہاں یہ بھی خیال کر لینا چاہئے کہ انجیلی حوالوں اور ایسی احادیث کی الگ الگ تشریح کی گنجائش ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سلسلۂ موسوی کے آخری پیغمبر تھے اور احمدیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ تشریعی نبوت کی رسول اللہ صلعم کے بعد ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ اب کئی اسباب سے جن کا اللہ تعالیٰ کو علم تھا قرآن کریم میں تحریف ناممکن ہوگئی ہے جس سے پہلی کتب سماوی محفوظ نہیں رہ سکیں۔ وقت کے مناسب اللہ تعالیٰ نے پوری شریعت بصورت قرآن کریم انسانوں کی ہدایت کے لئے قیامت تک نازل فرما دی ہے۔

اس کے بعد اناجیل سے اب چند حوالے ایسے پیش کئے جاتے ہیں جن میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ قیامت تک بلکہ ابدالآباد تک ہے۔ عبرانیوں میں اس خیال کو ایک طویل استعارہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اختصار کے طور پر ہم کچھ عبارت یہاں نقل کر دیتے ہیں:۔

"خداوند نے قسم کھائی ہے اور اس سے پھرے گا نہیں کہ تو ابد تک کاہن ہے۔ اس لئے یسوع ایک بہتر عہد کا ضامن ٹھہرا۔ اور چونکہ موت کے سبب سے قائم نہ رہ سکتے تھے اس لئے وہ تو بہت سے کاہن مقرر ہوئے۔ مگر چونکہ یہ ابد تک قائم رہنے والا ہے اسلئے اس کی کہانت لازوال ہے۔" (عبرانیوں ۷/۲۱-۲۴)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

"ورنہ بنائے عالم سے لیکر اس کو بار بار دُکھ اُٹھانا پڑتا۔ مگر اب زمانوں کے آخر میں ایک بار ظاہر ہوُا تاکہ اپنے آپ کو قربانی کرنے سے گناہ کو مٹا دے۔" (عبرانیوں ۹/۲۶)

پھر متی میں ہے :-

"دیکھو مَیں دُنیا کے اخیر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔" (متی ۲۸/۲۰)

ہم نے یہ چند حوالے اختصاراً دیئے ہیں ورنہ اور بھی بہت سی آیات نکالی جا سکتی ہیں جن میں اس عقیدہ کی تصریح کی گئی ہے۔ اگر آج عیسائی یہ مان لیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے نہ تھے بلکہ پہلے نبیوں کی طرح ایک نبی ہی تھے تو ان آیات کی روشنی میں ان کا عقیدہ یہی ہوگا کہ آپ آخری نبی تھے اور ان کے بعد قیامت تک اور کسی قسم کا نبی نہیں آئے گا۔ دونوں صورتوں میں عیسائیوں کا عقیدہ یہی ہے کہ "لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا" اور یہی عقیدہ ہے جو غیر احمدی مسلمانوں کا آجکل ہے۔

ہم کو عیسائیوں سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ یہ عقیدہ اُن کو کہاں سے کہاں لے گیا۔ آدمی پاک لوگوں کی محبت میں کیا کیا مبالغے نہیں کر سکتا۔ مگر جو محبت حدود اللہ سے باہر لیجائے اس کا کبھی نہ کبھی وہی حشر ہوگا جو عیسائیوں کی محبتِ ماسوا اللہ کا ہوُا کہ مخلوق کو خدا یا خدا کا بیٹا بنا دیا۔ یہ عقیدہ کس قدر خطرناک ہے۔ اس کا اندازہ اِس امر سے ہو سکتا ہے کہ خود مسلمانوں میں ایسے افراد موجود ہیں جو اَحَدْ کو میم کا پردہ اُٹھا کر اَحْمَدْ بنا رہے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کو بشر کہنے والے کو کافر تصوّر کرتے ہیں۔ اور تو اور خود علامہ اقبال جیسا فلسفی شاعر بھی پکار اُٹھا ہے ؎

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اُٹھا کر
دیارِ یثرب میں آکے بیٹھے ہزار مُنہ کو چھپا چھپا کر

ایک اور شاعر اس طرح نغمہ سنج ہے ؎

وہی جو مُستویٔ عرش ہے خدا ہو کر
اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفٰےؐ ہو کر

عیسائیوں نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو اور ہندوؤں نے حضرت کرشن علیہ السلام اور رام علیہ السلام کو خدا بنا دیا تو مسلمان کیوں پیچھے رہ جاتے۔ کسی نیک بندے نے پردۂ میم کا مضمون کسی خاص پیرائے میں بیان کر دیا۔ اب غلو کرتے کرتے یہاں تک نوبت پہنچا دی۔ شاعروں کے ہاتھ میں کوئی بات نہ آجائے کہ رائی کا پہاڑ کرکے دکھا دیا۔ کتنا نازک مقام ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آیئے اسی مضمون کو ایک سچے موحد کی زبان سے بھی سنیئے! ؎

شانِ احمدؐ را کہ داند جز خداوند کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم

(مسیح موعود علیہ السلام)

جہاں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ احد پردۂ میم اوڑھ کر سرزمینِ یثرب میں آ بیٹھا ہے وہاں حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ احمدؐ نے قربِ الٰہی میں اس قدر ترقی کی کہ احد کی ذات میں گم ہو گئے۔

ع ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

دونوں مضمونوں میں جو فرقِ لطیف ہے وہی شرک و توحید میں فرق ہے۔ شاعر خواہ کتنے بلند مرتبہ کا ہو ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ لیکن اللہ کا بندہ ایسی ٹھوکر کبھی نہیں کھائے گا۔ ع

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سب سے بڑا احسان مسلمانوں پر یہی ہے کہ انہوں نے عام عقیدۂ ختمِ نبوت کے غیر اسلامی بداثرات سے ہم کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اور اگر حضرت اقدس اس کے سوا اور کچھ بھی نہ کرتے تو بھی نبی کہلانے کے اہل تھے۔ فتدبر!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

شریعتِ اسلام

مسئلۂ نکاح

(از جناب عبدالرحیم صاحب راٹھور متعلم ایف۔اے کلاس ڈی اے وی کالج سرینگر)

اسلام اکمل اور افضل مذہب ہے

تیمنًا و تبرکًا ابدء بکلام سیدنا حضرت المسیح الموعود علیہ الصلٰوۃ والسلام۔

"اور چونکہ پہلے نبی ایک خاص قوم اور خاص مُلک کے لئے آیا کرتے تھے۔ اسلئے ان کی تعلیم جو ابھی ابتدائی تھی مجمل اور ناقص رہتی تھی۔ کیونکہ بوجہ کمی قوم اصلاح کی حاجت کم پڑتی تھی۔

اور چونکہ انسانیت کے پودہ نے ابھی پورا نشوونما بھی نہیں کیا تھا اس لئے استعدادیں بھی کم درجہ پر تھیں۔ اور اعلیٰ تعلیم کی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ پھر ایسا زمانہ آیا کہ استعدادیں تو بڑھ گئیں مگر زمین گناہ اور بدکاری اور مخلوق پرستی سے بھر گئی اور سچی توحید اور سچی راستبازی نہ ہندوستان میں باقی رہی اور نہ مجوسیوں میں اور نہ یہودیوں میں اور نہ عیسائیوں میں۔ اور تمام قومیں ضلالت اور نفسانی جذبات کے نیچے دب گئیں۔ اس وقت خدا نے قرآن شریف کو اپنے پاک نبی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کر کے دُنیا کو کامل اسلام سکھایا۔"

"اور پہلے نبی ایک ایک قوم کی طرف آیا کرتے تھے اور اسی قدر سکھلاتے تھے جو اس قوم کی استعداد کے اندازے کے موافق ہو اور جن تعلیموں کی وہ لوگ برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ تعلیمیں اسلام کی ان کو نہیں بتلاتے تھے۔ اس لئے ان لوگوں کا اسلام ناقص رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دینوں میں سے کسی دین کا نام اسلام نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ دین جو ہمارے پاک نبی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت دنیا میں آیا اس میں تمام دُنیا کی اصلاح منظور تھی اور تمام استعدادوں کے موافق تعلیم دینا مدنظر تھا۔ اسلئے یہ دین تمام دینوں کی نسبت اکمل اور اتم ہوا اور اسی کا نام بالخصوصیت اسلام رکھا گیا اور اسی کو خدا نے کامل کہا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے اَلْیَوْمَ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ یعنی آج مَیں نے دین کو کامل کیا اور اپنی نعمت کو پُورا کیا اور مَیں راضی ہُوا جو تمہارا دین اسلام ہو۔" (منقول از ست بچن مصنفہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

شریعت اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی صحیح اور بہترین رہنمائی کرتی ہے۔ قسط ہذا میں اسلام کی تعلیم نکاح کے متعلق تحریر کی جاتی ہے۔

اسلامی نکتہ نگاہ سے نکاح کی تعریف

نکاح اسلامی نکتہ نگاہ سے عورت و مرد کا وہ رضا و رغبت سے کیا ہُوا پاک و مقدس معاہدہ ہے جس میں وہ تمام عمر خلوص نیت، ہمدردی اور محبت سے اکٹھے رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔

اِس پاکیزہ معاہدہ میں مرد و عورت کے قریبی رشتہ داروں کی رضامندی اور شمولیت مُستحب و مستحسن اور عورت کے والد یا "ولی" کی رضامندی ضروری ہے۔

اِس معاہدہ کے وقت مرد عورت کے ایک معقول رقم (مہر) پیش کرنے کے علاوہ تا حیات اس کے مناسب حال کھانا۔ لباس۔ مکان۔ عند الضرورت علاج اور دیگر جائز ضروریاتِ زندگی کے مہیا کرنے کا ذمہ اپنے اُوپر لیتا ہے۔

عورت خلوصِ نیت سے عہد کرتی ہے اور یقین دلاتی ہے کہ تا حیات اپنے خاوند کی ہمدرد و غمگسار رہے گی۔

اگرچہ یہ معاہدہ ساری عمر کے لئے ہوتا ہے، تاہم اگر آئندہ زندگی میں کچھ ایسے حالات رونما ہوں جن کی بناء پر عورت و مرد باوجود بہت کوشش کے اکٹھے نہ رہ سکیں تو شریعت اسلام کی رو سے عورت معقول وجہ پیش کر کے بذریعہ خُلع مرد سے جُدا ہو سکتی ہے اور مرد بذریعہ طلاق عورت کو اپنے سے جُدا کر سکتا ہے۔

لیکن خلع یا طلاق کے ذریعہ سے مرد و عورت کی جدائی کوئی پسندیدہ امر نہیں ہے۔ بلکہ اسکی اجازت صرف مجبوری کی حالت میں ہے۔ چنانچہ ارشاد حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم ابغض الحلالِ عند اللہِ الطلاقُ۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک طلاق بغیض اور ناپسندیدہ حلال ہے۔ جسکی صرف انتہائی مجبوری کی حالت میں اجازت ہے۔

بنی نوع انسان کے مختلف طبقات نے نکاح کی مختلف اغراض قرار دی ہیں

بنی نوع انسان کے مختلف طبقات اپنی اپنی استعدادِ ذہنی و اخلاقی کے مطابق نکاح کی مختلف

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اغراض قرار دیتے ہیں۔

(الف) ایسے حضرات کی تعداد کچھ کم نہیں جو شادی کو محض شہوت رانی، عیاشی اور حیوانی جذبات کے پورا کرنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ یورپ کے لوگ جنہوں نے شادی کو محض اس جذبہ کے ماتحت رکھا ہے۔ ان کے بڑے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہماری نسلیں اس لئے کمزور ہیں کہ ہم شادی کی غرض سے ناواقف ہیں۔

(ب) بہتیرے حضرات شادی کو محض بقائے نسل کا ذریعہ اور عورت کو صرف بچے پیدا کرنے کی مشین قرار دیتے ہیں۔ بعض یورپین قوموں نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر عورت کے لئے ہر جائز و ناجائز طریق سے اولاد پیدا کرنے کو ملک کی بہترین خدمت قرار دیا ہے۔

(ج) ایسے لوگوں کی بھی دنیا میں کمی نہیں ہے جو شادی کو ایک رسم اور بیوی کو ایک نوکر اور خادمہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں اور ہمیشہ اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی زندگی کو تلخ کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

ازروئے شریعت اسلام نکاح کے غلط اغراض کی تردید

خدائے علیم و حکیم کی نازل کردہ کامل ہدایت کی کتاب قرآن کریم نے آج سے قریباً پونے چودہ سو سال پہلے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ کے متعلق بھی ایسی شاندار اور واضح تعلیم دی ہے جو ہر پہلو بے نظیر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ کہ شادی صرف مستی نکالنے کے لئے نہ ہو۔" (درس القرآن) یعنی شادی کی غرض محض حیوانی جذبات کو پورا کرنا نہیں ہے "حیوانی جذبات، محبت، شہوت فوری جذبات ہیں اور اپنے اندر شرابی مادہ رکھتے ہیں" کہ باوجود جاننے کے انسان ان جذبات کے اثر کے ماتحت ایک ناروا امر کر گذرتا ہے اور مآل سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔ پس نکاح کے پاک و مقدس معاہدہ کو انجام سے غافل کرنے والے جذبات کا پورا کرنا قرار دینا ذہنی اور اخلاقی پستی کا بیّن ثبوت ہے۔

نکاح یا شادی کی غرض محض بقائے نسل قرار دینا بھی اسلام کی فطری تعلیم کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ عقلاً اس خیال کی تغلیط اس طرح سے ہوتی ہے کہ اگر شادی کی غرض محض بقائے نسل ہوتی تو اس کے لئے مرد و عورت کے تمام عمر اکٹھے رہنے کے معاہدہ کی کیا ضرورت۔ نو ماہ یا زیادہ سے زیادہ دو سال کی مدت اس غرض کے لئے کافی تھی۔ لیکن واضح ہو کہ اسلام نے ایسے میعادی نکاحوں کو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں صحیح حدیث ہے۔ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انّ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم نَھٰی عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ یَوْمَ خَیْبَرَ وَعَنْ اَکْلِ لُحُوْمِ الْاِنْسِیَّةِ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن مُتعة النساء حرام قرار دیا ہے۔ پس میعادی نکاحوں کو حرام قرار دیکر نکاح کے معاہدہ کو ساری عمر کیلئے قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اسکی غرض صرف بقائے نسل ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ اس سے بالا کوئی اور پاکیزہ اور مقدس غرض ہے۔

نکاح کی صحیح اغراض از روئے شریعتِ اسلام

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کی چار اغراض بیان فرمائی ہیں۔ اوّل "احصان" جسکے لفظی معنے کسی قلعہ کے اندر محفوظ ہو جانے کے ہیں۔ شادی کی پہلی غرض احصان ہے۔ یعنی انسان کا بعض جسمانی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں کے بد نتائج سے محفوظ ہو جانا چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ[1] اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ (النساء) "اور اے مسلمانوں جائز کی جاتی ہیں تمہارے لئے تمام عورتیں سوائے اُن عورتوں کے جن کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے۔ کہ تم ان کے مہر مقرر کر کے ان کے ساتھ نکاح کرو۔ مگر تمہارے نکاح کی غرض یہ ہونی چاہیئے کہ تم بیماریوں اور بدیوں سے محفوظ ہو جاؤ۔ اور یہ غرض نہیں ہونی چاہیئے کہ تم شہوت کے طریق پر عیش و عشرت میں پڑو"۔ اس آیت میں احصان والی غرض بیان کی گئی ہے یعنی

(الف) یہ کہ نکاح کے ذریعہ سے انسان بعض ان خاص قسم کی جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہونے سے بچ جائے جو تجرد کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔

(ب) یہ کہ وہ بعض اخلاقی اور روحانی بیماریوں سے محفوظ ہو جائے۔ بعض ناپاک خیالات اور ناپاک تعلقات میں مبتلا نہ ہو۔

اسی غرض کی وضاحت کے لئے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ یا معشر الشباب علیکم بالنکاح، فانہ اغض للبصر و احصن للفرج ۔ ۔ ۔ (بخاری)، اے نوجوانوں کے گروہ! ضرور نکاح کرو۔ کیونکہ یہ آنکھ نیچا کرنے اور شرمگاہ محفوظ کرنیکا بہترین ذریعہ ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تعلیم دی ہے کہ پرہیزگار رہنے کی غرض سے

[1] اس آیت سے پہلے قرآن کریم میں اُن عورتوں کا ذکر ہے جن سے نکاح ناجائز ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نکاح کرو... مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (الجزء ۵) یعنی چاہیئے کہ تمہارا نکاح اِس نیت سے ہو کہ تا تم تقویٰ اور پرہیز گاری کے قلعہ میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ حیوانات کی طرح محض نطفہ نکالنا ہی تمہارا مطلب ہو۔ اور محصنین کے لفظ سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ جو شادی نہیں کرتا وہ نہ صرف روحانی آفات میں گر جاتا ہے بلکہ جسمانی آفات میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔"

(فتاویٰ احمدیہ جلد دوم)

نکاح کی دوسری غرض بقاءِ نسل صالح

دوسری غرض نکاح کی قرآن کریم نے بقاءِ نسل قرار دی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ (بقرہ) یعنی "اے مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں جن سے تمہاری آئندہ نسل کی فصل نے پیدا ہونا ہے پس اب تمہیں اختیار ہے کہ جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں کے ساتھ معاملہ کرو۔ اور جس قسم کی فصل اپنے لئے پیدا کرنا چاہو پیدا کر لو۔" اِس آیت میں بقاءِ نسل کی غرض بیان کی گئی ہے یعنی کہ انسانی نسل کا سلسلہ قائم رہے اور ساتھ ہی خدا تعالےٰ نے نہایت لطیف پیرایہ میں یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ جب بیوی کے ذریعہ آئندہ نسل کا وجود قائم ہوتا ہے تو پھر انسان کو اپنی بیوی کے انتخاب میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اور اس کے ساتھ تعلقات رکھنے میں ایسا طریق اختیار کرنا چاہیئے کہ جس کے نتیجہ میں آئندہ نسل خراب نہ ہو بلکہ بہتر سے بہتر نسل پیدا ہو۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان اِس بارے میں یہ ہے کہ اَنْكِحُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ (الحدیث) اے مسلمانو! محبت کرنیوالی اور بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ مَیں تمہاری کثرت کی بناء پر باقی اُمتوں پر فخر کرونگا۔

اس حدیث میں الولود فرما کر جہاں اعلیٰ جسمانی صحت کیطرف توجہ دلائی ہے وہاں الوَدُوْد فرما کر اخلاقی رفعت اور روحانی پاکیزگی کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ نیک سیرت بیوی ہی حقیقی طور پر الوَدُوْد ہو سکتی ہے۔ اور اسی طرح اچھی صحت والی ہی الوَدُوْد۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

"اور پھر نکاح سے ایک اور بھی غرض ہے جس کی طرف قرآن کریم میں یعنی سورۃ الفرقان میں اشارہ ہے اور وہ یہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا یعنی مومن وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں کے بارے میں اور فرزندوں کے بارے میں دل کی ٹھنڈک عطا کر اور ایسا کر کہ ہماری بیویاں اور ہمارے فرزند نیک بخت ہوں اور ہم انکے پیشرو ہوں۔" (فتاویٰ احمدیہ)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نکاح کی تیسری غرض
رفیق حیات و سکینتِ قلب کا حصول

نکاح کی تیسری غرض اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان کو رفیق حیات اور سکینتِ قلب حاصل ہو۔ کیونکہ انسان کی پیدائش کے ساتھ غم اور خوشی کے جوڑے نے بھی توام جنم لیا ہے۔ اور راحت و رنج، سکھ و دکھ، کامیابی و ناکامی، نفع و نقصان امورِ لازمیہ دنیویہ ہیں۔ اور صبح و شام اور دن و رات کی طرح وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ انسان جہاں رنج کی گھڑیوں میں ایک ہمدرد اور تسلّی دینے والے کا محتاج ہوتا ہے وہاں خوشی کے لمحات سے لطف اندوز ہونے کے لئے اسے ایک محبوب، ہمدرد اور رفیق کی ضرورت ہوتی ہے باوقار ہمدرد دوست ساعاتِ غم کی تلخی اپنے حُسنِ عمل سے کم کر دیتا ہے، تو سچا محبوب حسنِ لیاقت سے لمحاتِ راحت کو پُرسکون و پُرکیف بنا دیتا ہے۔ انسان (جس کی پیدائش کے ساتھ ہی رنج و راحت کے دو متضاد لیکن متوازی سلسلے توام پیدا ہوئے ہیں۔ اور باری باری اس پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں) یقیناً ایک ایسے ہم سفر رفیق کی احتیاج رکھتا ہے جو اپنے سینے میں زندہ دلی اور دل میں محبت و ہمدردی کے سچے اور پاکیزہ جذبات رکھتا ہو۔ جو اپنے ساتھی کی خوشی میں خوشی اور اس کے رنج میں رنج محسوس کرتا ہو۔ پس انسان فطرةً ایک معتبر رازدار، ہمدرد مشیر اور باوفا ساتھی کا محتاج ہے جو اس کے لئے ذہنی سکون، قلبی اطمینان اور وجدانی مسرت کا باعث بننے کے علاوہ اس کے روحانی منازل طے کرنے میں اس کا ممد و معاون ثابت ہو۔ اور ایک شریف مرد کے لئے ایسا ہم سفر رفیق ایک نیک صورت اور پاکیزہ سیرت عورت ہی ہو سکتی ہے۔

عورت جس کو خدا تعالیٰ نے نرمی اور حلم کے مادے میں محبت کی ضمیر ڈال کر پیدا کیا ہے اس میں اگر رنج کو راحت سے بدلنے کی صلاحیت ہے تو راحت کو مسرت کا جامہ پہنانے کی قابلیت بھی ہے۔

خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم) یعنی خدا تعالیٰ نے تمہاری جنس میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائی ہیں تاکہ تم ان کے تعلق میں سکینتِ قلب حاصل کرو۔ اور پھر اس تعلق کو خدا نے تمہارے درمیان محبت و رحمت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اِس آیت میں نکاح کی تیسری غرض بیان کی گئی ہے یعنی یہ کہ خاوند کو بیوی میں اور بیوی کو خاوند میں رفیق حیات میسر آجائے اور وہ دونوں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایک دوسرے کے تعلق میں تسکینِ قلب پائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے جنہوں نے باوجود نوخیز جوان ہونے کے بیوہ سے شادی کی تھی فرمایا۔ لم لا نکحت البکر تلاعبك و تلاعبھا۔ کہ تو نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا۔ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :-

"چاہیئے کہ عورتوں سے انسان کا دوستانہ طریق اور تعلق ہو" (الحکم)

پھر قدرت نے "مرد کے فوائد کو عورت کے فوائد سے اور عورت کے فوائد کو مرد کے فوائد سے ایسا متحد کر دیا ہے کہ ان میں سوائے دوستی اور محبت کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ دوستی محبت اور پیار کا اصل اتحاد فوائد ہے"۔ قدرت کی حکمتِ کاملہ نے ان کو اس حکمت سے بنایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بغیر حقیقی راحت سے لطف اندوز ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ لوہے اور مقناطیس کی طرح سے ایک دوسرے کی طرف زبردست طبعی میلان رکھتے ہیں جو کہ طبعی محبت اور سچی ہمدردی کا باعث ہے۔" پس چونکہ نکاح کا اصل مدعا اور غرض اتحاد پیدا کرنا اور ایک دوسرے کی ترقی کے لئے مددگار پیدا کرنا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے مرد کو عورت کا اور عورت کو مرد کا مددگار بنا دیا اور اس طرح انسان کی روحانی اور جسمانی ترقیات کے اسباب مہیا کر دیئے"

(از خطبۂ نکاح فرمودہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز الفضل ۷ مارچ ۱۹۱۶ء)

نکاح کی چوتھی غرض محبت و اخوت

نکاح کی چوتھی غرض اللہ تعالیٰ نے محبت و اخوت کے تعلقات کو بڑھانا قرار دیا ہے۔ کیونکہ :-

"انسان کی ترقی اور اس کا اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جانا بہت کچھ ایک دوسرے کی مدد اور تائید پر منحصر ہے۔ اگر دنیا میں انسان ایک دوسرے کے مددگار اور معاون نہ ہوں تو ضروری ہے کہ بہت سی کامیابیاں حاصل کرنے سے محروم رہ جائیں ....."اسلئے "ضروری ہے کہ ہر انسان کیلئے کوئی نہ کوئی مددگار ہو"۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کو محبت و اخوت اور رشتہ داری کے بڑھانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

چنانچہ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (روم) فرما کر اس تعلق کو ہمارے درمیان محبت و رحمت کی زنجیر بنایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ نکاح کے ذریعہ سے خاوند اور بیوی کے متعلقین کے درمیان رشتہ وداد و اتحاد قائم ہو جائے۔ اور نسلی رشتہ داری کے تعلق کے علاوہ رحمی تعلق کے ذریعہ بھی مختلف خاندانوں اور مختلف قوموں کے درمیان محبت اور رحمت کی زنجیر سے منسلک ہو جانے کے مواقع میسر رہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:-

"جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے . . . ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔" (کشتی نوح)

الغرض اسلامی شریعت میں نکاح کی چار اغراض بیان کی گئی ہیں۔ اوّل "احصان" یعنی بعض جسمانی اور روحانی بیماریوں اور ان کے بد نتائج سے محفوظ ہو جانا۔ دوئم بقاءِ نسل صالح۔ سوئم رفاقت حیات اور تسکینِ قلب۔ چہارم مختلف خاندانوں اور اقوام کا مل جانا۔ اور متحد ہو جانا۔ اور اگر غور کیا جائے۔ تو یہ ساری اغراض نہ صرف بالکل جائز اور مناسب ہیں بلکہ نہایت درجہ پاکیزہ اور فطرتِ انسانی اور ضروریاتِ بنی نوع انسان کے عین مطابق ہیں اور ان سے خاوند و بیوی کے تعلق کو ایک بہترین بنیاد پر قائم کر دیا گیا ہے۔ اور اس تعلق سے بہترین ثمرہ پیدا کرنے کی صورت نکالی گئی ہے۔ اور ان اغراض کے مقابلہ میں جس غرض کو قرآن شریف نے نام لے کر ناجائز قرار دیا ہے اور اس سے مسلمانوں کو روکا ہے وہ تعیش اور شہوت رانی کی غرض ہے۔

نکاح کی غرض تقویٰ اللہ

حقیقی اطمینان و سکون کسبی نہیں ہیں۔ اصحابِ بصیرت پر واضح ہے کہ محض دُنیاوی مال و منال، جاہ و عزت، اہل و عیال اور ہمدرد ساتھیوں کا وجود ہی حقیقی اطمینان کا باعث نہیں ہے۔ محض کثرت مال حصول عزت اور اقرباء و احباب کے وجود نے آج تک نہ کسی کی فطری پیاس کو بجھایا اور نہ کسی کی طبیعت کو سیر کیا۔ یہ تو ایک امر مسلمہ ہے کہ کثرت مال اور حصول عزت ان چیزوں کی خواہش کو سیر کرنے کی بجائے بڑھاتی ہیں۔ جتنا جتنا کسی شخص کے مال میں ترقی ہو جائے گی اتنی اتنی اس کی حصول مال کی حرص بڑھتی جائے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نے حصول مال و منال کی طرف چنداں توجہ نہیں دی۔ جاہ و عزّت کا بھی یہی حال ہے۔ ہر درجہ عزت کے حصول کے بعد انسان کی نظریں اگلے درجہ کی طرف اُٹھتی ہیں اور طبیعت ہرگز سیر نہیں ہوتی۔ یہی حال احبّاء و اقرباء کا ہے۔ دُنیا میں لوگوں کے بکثرت خدم و حشم ہوتے ہیں، دوست و احبّا ہوتے ہیں، ہمدرد و غمگسار ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقی اطمینان وہاں بھی مفقود ہوتا ہے۔ پس یہ تینوں چیزیں بلکہ بھی حقیقی سکون و اطمینان کا باعث نہیں بن سکتیں۔ لیکن دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے پیارے انبیاء و اولیاء باوجود ان چیزوں کے فقدان کے حقیقی اطمینان اور سکون کی دولت سے لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ غور طلب امر یہ ہے کہ جب خدا تعالےٰ نے نکاح کی غرض سکون و اطمینان کا حصول قرار دی ہے۔ تو کیا محض بیوی کا وجود ہی حقیقی سکون کا باعث ہے؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہی دینا پڑے گا۔ البتہ نیک و صالح بیوی سکون قلب کے حصول میں ممد و معاون ہوتی ہے۔ پس جب انسان کے اپنے دل کی تاریں اطمینانِ حقیقی کی سروں سے ملی ہوں گی۔ تو ضرور نیک صورت صالح سیرت رفیق زندگی اس کے حقیقی اطمینان و سکون کے حصول میں ممد و معاون اور اس کی روحانی ترقی میں معاون و مددگار ہوگی۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے خطبے میں جن قرآنی آیات کی تلاوت مقرر فرمائی ہے وہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نکاح تبھی باعثِ سکون و راحت بن سکتا ہے جبکہ اس کی بنیادی غرض تقوی اللہ ہو۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

(الف) يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ "اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا تقوےٰ اختیار کرو۔ اور غور کرو کہ تم نے کل کے لئے کیا کیا ہے۔ نکاح کا معاملہ آج کا ہی معاملہ نہیں۔ بلکہ عمر کے لئے ہے اور پھر قیامت تک کے لئے ہے۔ اس لئے تمہیں اس میں تقویٰ مدنظر ہونا چاہیئے۔ اور تمہیں سوچنا چاہیئے کہ نکاح کے بعد تم پر کیا ذمہ واریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس عورت اور اس کے رشتہ داروں کی طرف سے کیا ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔۔۔ پس فرمایا کہ پہلے سوچو اور پھر کسی جگہ معاملہ کرو۔ یہ نہیں کہ پہلے کر دو اور پیچھے سے فضیحت ہوتی پھرے۔ اصل چیز تقوےٰ ہے۔ اگر خدا کا تقویٰ مدنظر ہوگا تو کام درست ہو جائیں گے۔ اور فرمایا یاد رکھو ہر ایک کام جو تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔ اس ذریعہ سے بھی نیتوں کی صفائی اور معاملات میں صفائی پیدا کرنے کی تعلیم دی۔" (از خطبہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ الفضل ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

(ب) "نکاح کیوں کریں؟ فرمایا تقویٰ کے لئے۔"

(ج) "اتقوا اللہ۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو اچھے انسان پیدا ہوں گے۔ یہ ایک بڑا نکتہ ہے۔ جو شخص اس کو سمجھ لے تو اس کے لئے بہت مفید ہوگا۔" (الفضل ۱۲؍اپریل ۱۹۲۱ء)

(د) پس "اسلام نے جو نکاح کی غرض بتائی ہے وہ تقوی اللہ ہے۔ کہ دونوں میاں بیوی بلکہ خدا کے غضب سے بچنے اور رحمت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ۲۔ یہ کہ نسل باقی رہے۔ ایسی نسل جو آئندہ کارآمد ہو۔ پھر یہ بھی غرض ہے کہ میاں بیوی بلکہ نیک اعمال میں ایک دوسرے کے مدد و معاون ہوں۔ اور صدق و سداد کے قائم کرنے والے ہوں۔ اور اس غرض کو پورا کریں جو انسان کی روز ازل سے قرار دی گئی ہے۔" (الفضل ۲؍اگست ۱۹۲۰ء)

تقویٰ کی تعریف

(م) "تقویٰ کے معنی عربی زبان کے لحاظ سے ...... اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے ہیں ایسی چیزوں سے جو انسان کی ہلاکت کا اور نقصان کا موجب ہوں۔ اور ایسی چیزوں کا حاصل کرنا جو ہلاکت سے بچاتی ہوں ...... اصل معنی تقویٰ کے حفاظت کے وہ سامان جمع کرنا جو ترقی کا موجب ہوں اور ہلاکت سے بچانے والے ہوں۔" (الفضل ۱۱؍نومبر ۱۹۲۰ء)

(س) "نکاح آرام و راحت سکینت اور تقویٰ کے حصول کے لئے کیا جاتا ہے۔" (الفضل ۱۶؍مئی ۱۹۱۵ء)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وی ۔ پی

قابلِ توجّہ بقایا داران

بعض بقایا داروں کو جن کا چندہ ۲۸ر فروری تک کی کسی تاریخ کو ختم ہوتا تھا پیشِ نظر پرچہ حسب اطلاع وی ۔ پی کیا جا رہا ہے ۔ اور اُن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ضرور وی ۔ پی وصول فرما کر اپنے اِس قومی مجلّہ کی اعانت فرمائیں گے ۔

اِس کے علاوہ دیگر بقایا داران کی خدمت میں اپریل ۱۹۴۵ء کا پرچہ بذریعہ وی ۔ پی حاضر ہوگا ۔ اُن کو چاہیئے کہ اپنا بقایا اور پیشگی چندہ جلد ارسال فرما دیں تا وی ۔ پی بھیجنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے ۔

امید ہے کہ بقایا داران اصحاب اِس پر ضرور توجّہ فرمائیں گے ۔

مینجر